Majallah-yi Talim o Tahqiq

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مجلہ تعلیم و تحقیق

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, **ISSN (Online):** 2618-1363

Issue 4,Vol 4, October-December,2022

شمارہ ۴، جلد ۴، اکتوبر—دسمبر، ۲۰۲۲

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف اصولِ درایت حدیث

عنایت الرحمن [1]

ڈاکٹر حمیرا احمد [2]

Abstract:

Hadith is the second most important primary source of Islamic law. During every phase of Muslim history efforts have been put forth to communicate Hadith and keep it intact. Earlier experts of Hadiths comprehension and *IlmJarhwaTa'dil* not only set principles to verify the authenticity and reliability of Hadith but also discussed and formulated principles to grasp the meaning of the text of Hadith. This article primarily deals with the principles of comprehension of Hadith of Syed AbulMaududi. AbulAalaMaududi, founder of Jamat-e-Islami and author of Quranic Tafseer "Tarjamanul Qur'an" and many other discourses on various topics of Islam. He is among those who used Hadith narrations extensively in his illustrious interpretation of Qur'an.

For him the verification of Hadith narrators and text is necessary in order to benefit from it. He was of the view that there might be chances of human error, forgetfulness, personal beliefs or misunderstanding of narrators present in the sanad. Moreover, for him, it is also important to confirm, if the possible meanings of the text of Hadith have clash with the meaning of any other Hadith. In that case law would not be extracted from it even if all the narrators conform to the standards formulated by Hadith experts. Few examples of principles of comprehension of Hadith of MaulanaMaududi have also been cited in the article to describe the principles of comprehension of Hadith. These examples include the narrations on the welcoming of Imam Mahdi, the coming of Dajjal (the false Messaih) and prophecies of Prophet Muhammad SW.

Keywords:

Hadith comprehension, Syed AbulAalaMaududi, Narrators, Authenticity, Islamic Law.

[1] پی ایچ ڈی سکالر، اسلامی فکر و تہذیب یو ایم ٹی لاہور

[2] ایسوسی ایٹ پروفیسر، اسلامی فکر و تہذیب یو ایم ٹی لاہور

تعارف

شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ چار ہیں، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ انھیں دلائل شریعت کہتے ہیں۔ قرآن شریعت کا پہلا اور حدیث دوسرا ماخذ ہے۔ حدیث کے لغوی معنی بیان، اخبار، بات، قصہ، واقعہ اور جدید کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں السنن المضافه للنبي صلى الله عليه و سلم قولا له أو فعلا أو تقريرا[3] حدیث ہر وہ قول، فعل، تقریر یا صفت کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو۔ حدیث امور دین میں اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن مجید ہے۔ آپ ﷺ کی حیثیت محض ایک سفیر کی نہیں بلکہ آپ ﷺ اللہ کے مجاز نمائندے اور اس کی طرف سے مقرر کردہ معلم و مربی، قاضی، شارع، شارح کتاب، پیشوا، تشریعی اختیارات کے حامل اور غیر مشروط مطاع و حاکم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے، اسی طرح حدیث کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

انسانوں میں بہترین انسان حضرت محمد ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے اخلاق کے بہترین معیار پر اپنی زندگی گزاری اور دوسروں کے لیے نمونہ بن گیے۔ آپ ﷺ کے زبان مبارک سے کہے ہوئے الفاظ سے زندگیوں میں انقلاب آجاتا ہے۔ گم راہلوگوں کو منزل کا راستہ مل جاتا ہے۔ ایسی شخصیت کے کہے ہوئے الفاظ اور اقوال کو تا قیامت محفوظ کیا گیا ہے۔ ادب و احترام کے پاکیزہ جذبوں کے ساتھ ان الفاظ اور اقوال کو ''احادیث نبوی ﷺ'' کا نام دیا گیا ہے۔ دوسری طرف ادب و عقیدت کے جذبوں سے خالی لوگوں نے احادیث کے اس ذخیرے کو اپنی پسند و نا پسند کے لیے تختۂ مشق بھی بنانا چاہا اور اپنی طرف سے اس میں حذف و ترمیم کرنی چاہی۔ امت میں بے شمار ایسے لوگ گزر چکے ہیں جنھوں نے احادیث کے اس ذخیرے کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانا اور اسے اپنے سینوں کے ساتھ چمٹائے رکھا۔

بلاشبہ بیسویں صدی کی نابغہ روزگار شخصیات میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ایک سرخیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علمِ حدیث میں تحقیق کا ذوق ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ تفسیر تفہیم القرآن[4] میں اپنا علمی و تحقیقی کام کرنے کے بعد انھوں نے حدیث پر بھی ایک جامع کتاب لکھنی چاہی۔ 1953ء میں جیل کے اندر قید کے دوران حدیث کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد کا بالاستیعاب مطالعہ کر چکے تھے[5] ایک طویل عرصے تک مشکوٰۃ المصابیح کا باقاعدگی سے درس بھی دیتے رہے۔[6] حدیث پر ایک جامع کتاب لکھنے کی خواہش وہ کئی بار کر چکے تھے۔ زندگی کی آخری حصے میں وہ اس پر کام کا آغاز بھی کرنے والے تھے کہ موت نے انھیں یہ موقع نہیں دیا۔ ان کی یہ خواہش تو پوری نہ ہو سکی لیکن حدیث کے طالب علموں کے لیے انھوں نے اپنی دیگر تمام تصانیف، مضامین، مقالات اور تقریروں میں حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان کی ہر تصنیف میں بے شمار احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔ انھوں نے احادیث کا استعمال پورے شعور اور آگہی سے کیا ہے۔ اگر ان کے تمام علمی و تحقیقی کام کا جائزہ لیا جائے تو فیصلہ اسی پر کرنا پڑتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد حدیث ان کی دوسری سند تھی۔ حدیث ان کا گویا قرآن کے بعد آخری حوالہ رہا۔

حدیث کے تمام پہلوں پر منحرفین اور مزاج رسول ﷺ سے ناآشنا لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ غلط روایات کو بھی احادیث میں گردانا گیا۔ کثرت اور تسلسل کے ساتھ جو روایات چلی آرہی ہیں، ان کو بعض لوگوں نے حدیث کے درجے پے فائز کر دیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی ﷺ نے ان محققین کو پڑھا، ان کے موقف کو دیکھا۔ جائزہ لیا اور اپنے موقف کو بلا تردد اور خوف پیش کیا۔ یہاں ان مباحث کو خاص کر نشان زدہ کیا جارہا ہے کہ روایت و درایت میں وہ کونسی باریک تہہ ہے جس سے منحرفینِ حدیث یا معترضینِ حدیث اس علم کو کمزور کرنا چاہتے

---

3. شمس الدين محمدبن عبدالرحمن السخاوي ،**فتح المغيث شرح ألفية الحديث**(لبنان:دارالكتبالعلمية ـالطبعةالأولى، 1403ھ) ج1، ص14۔

4۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **تفسیر تفہیم القرآن**، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن،، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار) ج1، ص11

5۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **تفہیم الاحادیث**، پیش لفظ، (لاہور: مکتبہ معارف اسلامی 2003) ج1، ص11

6۔ ایضاً

ہیں۔ان جیسے دیگر سوالات کے جوابات کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کیا موقف اختیار کیا۔ذیل کے سطور میں ان کا خاص کر ذکر کیا جارہا ہے۔

علم درایت کی تعریف:

علم حدیث کی عموماً دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔روایت حدیث اور درایت حدیث۔

روایت حدیث: یہ علم ان احادیث کی نقل و حرکت اور ضبط و تحریر پر مبنی ہے۔جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوں، خواہ قولی ہوں، فعلی ہوں یا تقریری یا رسول اللہ ﷺ کی کسی صفت پر مبنی ہوں۔

درایتِ حدیث: یہ علم ان مباحث کا مجموعہ ہے جس سے راوی اور مروی (حدیث) کا حال قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت سے معلوم ہو جائے۔[7]

روایتِ حدیث میں حدیث کے اصول، جرح و تعدیل، اسماء الرجال، عِلل اسناد، راوی کی اخلاقی و دینی حالت، حفظ و ضبط، عدالت و ثقاہت، اعتقادی و فکری کیفیت سے بحث کی جاتی ہے۔راویانِ حدیث کے لیے کڑی شرائط مقرر کرنے کے بعد بھی علمائے اصولین کو یہ کھٹکا باقی رہا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک روایت سند کے معیاروں پر پوری اترتی ہو اور کہیں کوئی ضعف اور کمزوری نہ ہو، مگر وہ حدیثِ رسول ﷺ نہ ہو یا اس کی سند قوی ہو مگر الفاظ نبی کریم ﷺ کے نہ ہو، یا ایک ایسی روایت ہو جو نبی کرم ﷺ کے منشاو مطمح نظر کے خلاف ہو کر مقاصدِ شریعت سے متصادم ہو جائے۔روایت کے اندر کہیں راوی کے اپنے تاثرات سے حدیث کی اصل غایت فوت تو نہیں ہوئی۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی کو حدیث سمجھنے میں دشواری آئی ہو یا موقع و محل کا ادراک نہ پا کر غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہو، ان جیسی بے شمار کمزوریوں پر گرفت رکھنے کے لیے علمائے اصولین نے علمِ درایت کے نام سے اصول وضع کیے ہیں، ان اصولوں کو احادیث پر منطبق کرنا جان جوکھوں کا کام ہے اور وہی بندہ اس جوئے شیر کو لائے گا جو اس میدان کا مضبوط ترین شہسوار ہو، رسوخ فی الحدیث میں کاملِ تام حیثیت رکھتا ہو۔

علمِ درایت کا استعمال: درایت جو علم و عقل اور سوچ و بچار کا نام ہے اور یہ علم الحدیث کا بنیادی قسم میں سے ہے، گویا کہ علم الحدیث کی ابتدائی امور سے اس کا تعلق ہونے کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے۔امام سیوطیؒ نے اس پر بحث کی ہے اور اس کی تمام جزئیات و کلیات اور عناصر و عوامل پر کھل کر بات کی ہے کہ اس کا تعلق راوی کی حقیقت، اس کے شرائط، انواع، اقسام، احکام اور راوی کی حالت قبولیت و عدم قبولیت پر ہے۔[8] نبی کریم ﷺ نے اپنی صداقت کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے اسے صادق و امین قرار دیا ہے۔[9] اس کے ساتھ ہی مشہور افک کا واقعہ بھی اس کی واضح مثال ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لو لا اذ سمعتموه قلتم ما يكون لنا ان نتكلم بهٰذا، سبحانٰک، هٰذا بهتان عظيم[10]

کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔

7۔ محمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم الحلاق القاسمي، **قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث**، الباب الثالث: في بيان علم الحديث وفيه مسائل (بيروت: دار الكتب العلمية ،لبنان)، ص75

8- عبد الرحمن بن أبي بكرجلال الدين السيوطي، **م قدم تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي**، (الرياض: دار طيبة) ج1، ص26

9- يونس16:10

10۔النور16:24

یعنی منافقین جو دعویٰ کرتے تھے وہ اتنا بے وزن، خلافِ واقعہ، خلاف عقل تھا کہ اسے سننا بھی گوارا نہ تھا۔ افک کے اس واقعے میں چند معتبر صحابہ کرام بھی ملوّث ہو گئے تھے۔ وہ بلا تحقیق اس سازش کے شکار ہو گیے تھے۔ قرآن نے انھیں اس طرف توجہ دلائی کہ تم لوگوں نے یہ جھوٹی بات سنتے ہی اتنی جلدی یقین کیوں کر لیا۔ تحقیق اور جستجو کے ترازو میں اس کو تولتے اور بعد میں اس کو قبول یا رد کرنے کی جسارت کرتے۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں سے یہ ہے کہ بغیر تحقیق اور تلاشِ حقیقت کے کسی بات پر یقین نہ کر لیں اور نہ اسے آگے پھیلائیں[11]۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر یہی ہے کہ واقعے کی خوب جانچ پرکھ کر لی جائے اور جب دل مطمئن ہو جائے تو پھر آگے پھیلانے میں دل کو بھی کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔

احادیث کو بیان کرنے یا آگے پھیلانے میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

من كذب عليّ متعمدًا فليتبوا مقعده من النار[12]۔

جس نے جان بوجھ کر میری جانب کوئی جھوٹی بات منسوب کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

احادیث کو جن لوگوں نے حرزِ جان بنایا ہے ان میں اولین صحابہ کرام کا شمار ہوتا ہے، انھوں نے بھی احتیاط کا دامن تھامے رکھا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب تم لوگوں سے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کروں تو مجھے آسمان سے گر جانا پسند ہے مگر آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کا انتساب کرنا پسند نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب اپنی نبوت کا یقین اپنی قوم کو دلانا تھا، تب آپ ﷺ نے درایت کا استعمال کیا تھا اور اپنی قوم سے فرمایا تھا:

فقد لبثت فيكم عمراً من قبله، افلا تعقلون[13]۔

قبل نبوت میں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ تمھارے ساتھ گزارا تھا (اس دوران میں نے کبھی جھوٹ بولا تھا)۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے درایت کے خلاف پا کر رد کر دیا تھا۔ یہ حدیث اصول الشاشی میں سنت کے بیان میں مذکور ہے۔

روى ابو ہريرة الوضوءمما مسته النار۔فقال له ابن عباس ارأيت لوتوضأت بماءسخين اكنت تتوضأمنه فسكت[14]۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آگ نے جس چیز کو چھو لیا، اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ابن عباسؓ نے ابوہریرہؓ سے کہا آپ یہ بتائیے کہ اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو کیا آپ اس پر بھی دوبارہ وضو کریں گے۔ اس بات پر حضرت ابوہریرہؓ خاموش ہو گئے۔

کسی بھی چیز پر تنقید، تبصرہ اور اپنی رائے کا اظہار کر دینا قدرت کی طرف سے نعمت ہوتی۔ اسی نعمت کے استعمال پر انسان بہت سی مشکلات میں آسانی کا راستہ نکال لیتا ہے، دور جاہلیت کے شعرا نے اپنے ہی یہاں اشعار میں اپنے جاہلی رسم و رواج، عقائد و عبادات اور اخلاقیات پر کہیں تنقید کی

11۔ الحجرات6:49

12 ۔ أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار، **مسند البزار**،(المدينه منوره: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة الطبعة : الأولى 2009)38:2اور صحیح بخاری جلد اول : **کتاب العلم** (علم کا بیان) : حدیث 110

13۔یونس16:10

14۔مولانا جمیل احمد سکروڈی، **اجمل الحواشی فی شرح اصول الشاشی**،(لاہور: اسلامی کتب خانہ، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار) ص273۔

تو کہیں اس پر تبصرہ ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے جب فارعہ نے اپنے بھائی امیہ بن ابی صلت کے چند اشعار سنائے تو نبی کریم ﷺ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ ''امن شعرہ و کفر قلبہ[15]''اس کا شعر ایمان لے آیا لیکن اس کے قلب نے کفر کیا۔

حضرت عمرؓ نے زہیر بن ابی سلمیٰ کے اشعار کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ :

لأنه كان لا يعاظل في الكلام وكان يتجنب وحشي الشعر وكان لا يمدح أحدا إلا بما هو فيه[16]۔

وہ قول میں پیچیدگی اختیار نہیں کرتا تھا، نامانوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتا تھا اور لوگوں کی بے جا تعریفیں نہیں کرتا تھا۔

صحابہ کرام نے احادیث کی دو طریقوں سے حفاظت کی ہے۔ زبانی بھی یاد کیے اور کتابت حدیث کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کتابت کا طریقہ بہت مؤثر طریقہ ثابت ہوا۔ اور اس طریقے سے احادیث مبارکہ کا ایک ضخیم ذخیرہ کتابی شکل میں جمع ہوا۔ حفاظت کا یہ سلسلہ شروع سے لے آخر (قیامت) تک جاری رہے گا۔ اس حوالے سے امام ذہبی فرماتے ہیں کہ :

دورِ صحابہ میں بھی رواۃ پر کام ہوا ہے۔ ان کے بعد تابعین کی جماعت بھی حفاظتِ حدیث پر مامور رہے۔ پہلی صدی کے بعد دوسرے صدی میں بھی ضعیف تابعین پر کلام ہوا اور 150ھ کے بعد ایک پوری جماعت نے درایت کا کام کیا کر موجود ہے[17]۔ فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقي نامی کتاب میں اس پر تفصیل سے ذکر موجود ہے اور مقدمہ مسلم میں بھی اس پر بحث موجود ہے۔

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں ابو الزنادؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

حد ثنا نصر بن علي الجهضمي، حدثنا الاصمعي، عن ابن ابي الزناد، عن ابيه، قال:" ادركت بالمدينة مائة، كلهم مامون، ما يؤخذ عنهم الحديث، يقال: ليس من اهله[18]۔

ابو الزناد (جن کا نام عبد اللہ بن ذکوان ہے اور وہ امام تھے حدیث کے) نے کہا: میں مدینہ میں سو اشخاص کو پایا، سب کے سب اچھے تھے مگر ان سے حدیث کی روایت نہیں کی جاتی، لوگ کہتے تھے وہ اس لائق نہیں ہیں۔

نقد اور احتیاط کی یہی تعلیمات قیامت تک کے لیے ہیں۔ اسی احتیاط و فکر مندی نے آگے جا کر ایک الگ فن کی شکل اختیار کی۔ حدیث کے میدان میں اس فن کو علمِ درایت کہنے لگے۔ نقد و درایت کے اصولوں سے کوئی بھی زمانہ مستغنی نہیں رہا۔ ہر گزرتے دن اس کی افادیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ پہلی صدی ہجری میں ربیع بن خیثم تابعی۔ تیسری صدی ہجری میں ابن قتیبہ اور امام شافعی۔ چوتھی صدی ہجری میں ابو جعفر طحاوی۔ پانچویں صدی ہجری میں خطیب بغدادی اور ابو بکر محمد بن الحسن بن فورک۔ چھٹی صدی ہجری میں ابن عساکی اور امام ابن جوزی۔ ساتویں صدی ہجری میں امام صغانی۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن دقیق العبد ،امام ذہبی اور امام ابن قیم۔ نویں صدی ہجری میں امام بلقینی اور ابو الحسن علی الحنبلی۔ دسویں صدی ہجری میں امام سخاوی، امام سیوطی، ابن العراق الکنانی اور علامہ طاہر پٹنی۔ گیارویں صدی ہجری میں ملا علی قاریؒ۔ چودھویں صدی ہجری میں علامہ عبد الحی لکھنوی

15۔ حافظ ابن حجر العسقلانی، **الاصابہ**،(مصر:مطبع مصطفی محمد مصر1939)4:364،363۔تفسیرتفہیم القرآن، سورۃ الشُّعَرآء حاشیہ نمبر :140

16-أبو القاسم الحسن بن بشر الآمدي ،**الموازنة بين شعر أبي تمام والبحتري** ، باب في سوء نظمه وتعقيد ألفاظ نسجه، ووحشي ألفاظه، ، تحقيق/ السيد أحمد صقر الناشر: دار المعارف - الطبعة الرابعة، مصر)ج1،ص293۔26فروری2023/https://dorar.net/arabia

17۔ شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن السخاوي ،**فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقي**،أقسام الحديث صفة رواية الحديث وأدائه الرواية بالمعنى(الرياض: مكتبة دار المنهاج،المملكة العربية السعودية)ج1،ص24

18۔ مسلم بن حجاج،**صحيح مسلم**،مُقَدِّمَةٌ، .باب فِي أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ وَأَنَّ الرِّوَايَةَ لَا تَكُونُ إِلَّا عَنْ الثِّقَاتِ وَأَنَّ جَرْحَ الرُّوَاةِ بِمَا هُوَ فِيهِمْ جَائِزٌ بَلْ وَاجِبٌ وَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ الْغِيبَةِ الْمُحَرَّمَةِ بَلْ مِنْ الذَّبِّ عَنْ الشَّرِيعَةِ الْمُكَرَّمَةِ۔ حدیث نمبر30 :

اور علاّمہ قاسمی اور دیگر بے شمار علمائے کرام اس فن کے ماہرین اور مصّنفین گزرے ہیں۔ علم درایت کی ایجاد، اشاعت میں ہزاروں زندگیاں قربان ہوئی ہیں۔ اور اب بھی یہ علم زندگیوں کی قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ حدیث چونکہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے تعلق رکھتی ہے، اس کی حفظ وحفاظت دین سے متعلق ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت میں سخت اصول، قواعد وضوابط سے کام لیا گیا ہے۔ محدّثین کرام اور علمائے اصولین نے ایسی کسوٹی بنائی ہے کہ علمِ حدیث کا ذخیرہ اب مکمل طور پر محفوظ ومامون ہو گیا ہے۔

درایت کے اصول:

علمائے اصولین نے درایت کا بلند معیار قائم کر کے علم حدیث اور علوم حدیث کو شک وشبہات، اعتراضات اور تمام غلط فہمیوں سے پاک وصاف رکھا، علمائے اصولین نے ایسے کڑے قواعد وضوابط بنائے ہیں کہ ان سے جو بھی محقق گزرے گا تو اس کے پاس اصل علم، شبہات سے پاک علم اور جانچے ہوئے علم کا ذخیرہ ہاتھ آجائے گا اور جس محقق نے اس میں کوتاہی برتی، غفلت اختیار کی، اپنے آپ کو ان اصولوں سے مستغنی سمجھا تو اس کے ہاتھ اتنا ہی علم آئے گا اور اپنی غفلت وکوتاہی کی وجہ سے رطب ویابس میں الجھا علم اس کے نصیب میں ہو گا۔

ابن جوزیؒ کا ایک حوالہ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

كل حديث رايتهٗ يخالف المعقول اويناقض الاصول۔ فاعلم انه موضوع فلا تتكلف اعتبار۔ای تعتبرو رواية ولا تنظر فی جرحهم او يكون مما يدفع الحس والمشاہدة او مبايناً لنص الكتاب والسنة المواترة اوالا جماع القطعی حيث لا يقبل شئ من ذالک التاويل او يتضمن الافراط باالوعيد الشديد على الامر اليسير وباالوعد العظيم على الفعل اليسير وہٰذاالأخير كثير موجود فی حديث القصاص والطرقية ومن ركة المعنى لا تاكلو القرعة حتیٰ تذبحوها ولذا جعل بعضهه ذالک دليلاً على كذب روايةوكل هذا من القرائن فی المروی وقد تكون فی الراوی كقصة غياث مع المهدی... او انفراده عمن له يدركه بما لم يوجد عند غيرهما اوانفراده بشی مع كونهمما يلزم المكلفين علمه وقطع العذرفيه كما قوره الخطيب فی اول الكفاية[19]۔

ابن جوزیؒ نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو یا نص، کتاب اور سنت متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجایش نہ رکھتی ہو یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور سوقیوں کے ہاں بہت پائی جاتی ہے) یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے۔ مثلاً یہ حدیث کہ کدو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ۔ اس لیے بعض محدثین نے لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں اور سبھی پر قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں۔ مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ۔۔۔ یا جیسا کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملا تک نہ ہو یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے۔ حالاں کہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کا بھی مطلع ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایۃ کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔

---

[19]۔علامہ شبلی نعمانیؒ، سلیمان ندوی ؒ، **سیرۃ النبی** ؐ (لاہور: مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور) 26 فروری 2023۔ ص362

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد اس کے ماحصل بھی نکالے ہیں۔ لیکن عربی عبارت کے متعلق کہا ہے اس میں غلطیاں موجود ہیں۔ عربی عبارت کے علاوہ مذکورہ اصول پر سب متفق ہیں۔ یہاں کچھ دیگر حوالوں سے بھی ان اصولوں کو بیان کر دیتے ہیں۔ امام ابن قیمؒ کی کتاب المنار المنيف فى الصحيح والضعيف میں چالیس (40) سے زائد درایت کے اصول بیان کیے ہیں۔

چند اصول ذیل کی سطور میں دیے جا رہے ہیں:

عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو۔ اصولِ مسلّمہ کے خلاف نہ ہو۔ محسوسات اور مشاہدے کے خلاف نہ ہو۔ قرآن مجید یا حدیث متواترہ کے خلاف نہ ہو۔ جس حدیث میں معمولی کام پر زیادہ اجر و ثواب کی خبر ہو۔ معمولی گناہ پر بڑے عذاب کی وعید سنائی گئی ہو۔ رکیک المعنیٰ ہو۔ راوی اپنے ماقبل راوی سے نہ ملا ہو۔ عام واقعہ جس کو راوی کے علاوہ کسی اور نے راویت نہ کی ہو۔ روایت میں کسی قوم، شہر اور پیشے کی مذمّت کی گئی ہو۔ شانِ نبوت کے خلاف روایت ہو۔ شانِ خدا کی منافی ہو۔ خوب صورت چہرے کی تعریف کی گئی ہو۔ بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائے۔ روایت میں تمسخر اور بے وقوفی پائی جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی پیدایش کے واقعات میں شانِ نبوت کو پامال کیا گیا ہو۔ تمام انبیا کرام کے کلام کے خلاف روایت ہو۔ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب حدیث فی نفسہٖ باطل ہو۔ عام اصولِ حکمت و اخلاق کے خلاف ہو۔ شہوت و فساد کی طرف داعیہ روایت ہو۔ تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔ نصِ قرآن کے خلاف ہو۔ سنتِ صریحہ کے خلاف ہو[20]۔

امام ابو حنیفہؒ اصولوں کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

حدیث کا متن صحابہؓ اور تابعینؒ کے درمیان نہ ٹکراتا ہو خواہ ان کا وطن ایک ہی شہر میں ہو یا الگ الگ شہروں میں۔ راوی کا عمل روایت کے خلاف نہ ہو مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کا وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ کتا برتن میں منہ ڈالے تو سات بار دھونا چاہیے جبکہ خود ان کا عمل اس روایت کے خلاف تھا[21]۔

اصولِ حدیث کے کتابوں میں اور بھی اصول ذکر ہوئے ہیں۔ دفعِ ضرورت کی بنا پر اور طوالت کو خاطر میں لاتے ہوئے اتنا بھی کافی ہیں۔ ان اصولوں کو تطبیق میں لائے بغیر حدیث کی معرفت اور استعمال بہت مشکل ہے۔ اب سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اس اہم فن کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا موقفِ درایت۔

سید مودودیؒ اپنی رائے میں لکھتے ہیں کہ:

احادیث سے استناد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے روایت کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ وہ کہاں تک قابل اعتماد ذرائع سے مروی ہوئی ہیں، پھر ان کے معنی پر غور کیا جائے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ بشرطِ صحت ان کا صحیح مدعا کیا ہو سکتا ہے۔ کسی حدیث کا کوئی ایسا مفہوم لے لینا جو حضورؐ کے دوسرے بہت سے ارشادات سے ٹکراتا ہو، یا جس سے بہت سی قباحتیں لازم آتی ہوں۔ کسی طرح درست نہیں

---

[20]۔أبو عبد الله محمد بن أبي بكرالدمشقي،**المنار المنيف في الصحيح والضعيف**،تحقيق:عبد الفتاح أبو غدة(حلب:مكتب المطبوعات الإسلامية،سنة النشر : 1403ھ)ج1،ص43

21۔ صحيح مسلم،كِتَاب الطَّهَارَةِ، باب حُكْمِ وُلُوغِ الْكَلْبِ،(عن ابي هريرة ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " طهور إناء احدكم، إذا ولغ فيه الكلب، ان يغسله سبع مرات، اولاهن بالتراب.")، حدیث نمبر651

ہو سکتا۔ اس کے بجائے اس کا اگر کوئی ایسا مفہوم ہو سکتا ہو جو آنحضورؐ کے دوسرے ارشادات سے مطابقت بھی رکھتا ہو اور ہر قباحت سے بھی خالی ہو تو ایک ذی فہم آدمی کے لیے وہی قابل قبول ہونا چاہیے[22]۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے تک حدیث کتابتاً، حفظاً، تعاملاً اور نقلاً ہر لحاظ سے پاک و صاف اور محفوظ رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے حالات اس نہج کے نہ رہے کہ جس میں احادیث کی حفاظت برقرار رہ جاتی۔

عروج کو زوال کم ہمتوں، مفاد پرستوں اور دوغلی پالیسی سازوں سے ملتا ہے۔ مسلمانوں کے علمی ذخیرے کو جب زوال ملنا شروع ہوا تو بھی یہی اصول کارفرما نظر آتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی آپس میں اقتدار کے لیے چپقلش، سیاسی اختلافات شامل ہیں۔ اسی طرح نو مسلموں کے اپنے سابقہ دین کی عبادات اور رسم و رواج لانا بھی اس کے اسباب میں شامل ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض منافقوں نے بھی علمِ حدیث کو نقصان پہنچانا چاہا۔ اس کے علاوہ شکم پروری کے بندے، مفاد کے بھوکے، خوشامدی ٹولے نے اپنی اپنی ضروریات کے تحت حدیث کے ذخیرے کو مکدر بنانا چاہا۔ بیسویں صدی میں منکرینِ حدیث کی کثرت رہی۔ اس کی ابتدا کرنے والے سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی احمد الدین امرتسری، مولانا اسلم جیراج پوری اور غلام احمد پرویز، ڈاکٹر عبدالودود، نمایاں رہے۔ مستشرقین نے بھی ایک تحریک کی شکل میں اس کا ساتھ دیا۔ متجدّدینِ حدیث اور منکرینِ حدیث کے قبیلے کے لوگوں نے درایت کے مضبوط قلعے کو مسمار کرنے کی لاکھ کوششیں کی مگر ناکام رہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے علم کے مورچے سے ان کا مقابلہ کیا اور درایت کو حکمت سے تعبیر کر کے ان اصولوں کو زندہ و تابندہ رکھا اور فرمایا:

''درایت سے مراد فہم دین ہے جس کو قرآن مجید میں ''حکمت'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ حکمت شریعت کے لیے وہی درجہ رکھتی ہے جو درجہ ''حذاقت'' کا فنِ طب میں ہے[23]۔

بشری کمزوریوں کی وجہ سے درایت کا استعمال دورِ صحابہؓ سے لے کر تا قیامت جاری ہے۔ ہر صدی میں درایت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بھی اس صف کے محقق آدمی گزرے ہیں۔ درایت کے حوالے سے ان کا موقف دوٹوک اور واضح ہے۔ اختلاف کے تمام آداب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور تائید کے تمام پہلوؤں پر بھی خوب بحث کی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تمام تر علمی ذخیرے اور وسائل کو بروئے کار لا کر درایت کا استعمال کیا ہے اور اسی سے ان کا موقفِ درایت بھی واضح ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے، جیسے ایک جج مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے۔ مگر جس طرح شاہدوں کے بیانات کا جانچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی طرح درایت بھی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ حدیث کو اصول درایت پر وہی شخص جانچ سکتا ہے جس نے قرآن کا علم حاصل کر کے اسلام کے اصول اولیہ کو خوب سمجھ لیا ہو اور جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرے کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور ممارست سے انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسولؐ اللہ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہے، اور وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہے کہ آیا رسولؐ اللہ ایسا فرما سکتے تھے یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں... اسی طرح دو محدثوں کی روایت میں بھی اختلاف ممکن ہے۔ خدا نے ہم کو انسانی طاقت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف قرار نہیں دیا ہے[24]۔

---

[22]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **رسائل و مسائل**، (لاہور اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ،) ج 3، ص 154

[23]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **تفہیمات**، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ) ج 1، ص 366

[24]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، **تفہیمات**، ج 1، ص 337

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ہاں درایت اس لیے ضروری ہے کہ انسانی حالت وطبیعت اور حافظہ، فہم وذکاوت، بیدار مغزی اکثر اوقات حالات کو سمجھنے میں کوتاہی کر جاتے ہیں یا موقع و محل پر پوری طرح گرفت نہ ہونے کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو بعد کے لوگوں کی غلط فہمی، کج فہمی، موقع و محل کی نسبت سے واقعات اور روایات میں اختلاط، نفس کی کمزوری، دنیاوی مفاد کی زور آوری اور اس جیسے دیگر وہ ذرائع جس سے اصل حدیث کے اندر کمی و بیشی آئی ہو، ایسے حالات میں صاف، واضح اور اصل حدیث والفاظ کو جانچ پرکھ کے نکالنا انتہائی ضروری ہے۔ موقع و محل پر گرفت نہ ہونے کی ایک روایت بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"ان المیت یعذب ببکاء اھلہ۔ "میت پر اس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے سے عذاب ہوتا ہے، یہ بات حضرت عائشہؓ تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا، لما بلغ عائشۃ قول عمرو ابن عمر قالت انکم لتحدثونی عن غیر کاذبین و مکذبین ولکن السمع یخطی[25] اللہ ابن عمرؓ کو معاف فرمائے، وہ جھوٹ نہیں بولتے، مگر انھیں بھول ہو گئی یا وہ سمجھنے میں غلطی کر گئے۔ بات دراصل یہ تھی کہ ایک یہودی عورت کے مرنے پر اس کے گھر والے رو رہے تھے۔ حضورؐ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا یہ یہاں اس پر رو رہے ہیں اور وہ اپنی قبر میں عذاب بھگت رہی ہے۔

جانچ پرکھ کی اس گراں بار ذمہ داری کو محدثین نے اٹھا کر امت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ انھی محدثین کی کاوشوں سے آج حدیث کا مکمل ذخیرہ مکمل چھان بین کے بعد ہمارے سامنے موجود ہے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فی زمانہ وہ وسائل بھی ہمارے سامنے موجود ہیں جن سے ہم حدیث کے ذخیرے کی جانچ پڑتال کر کے آج بھی واقعات کی صحیح صحیح تحقیق کر سکتے ہیں[26]۔

احادیث کے نقل و بیان اور تحقیق کے ضمنمیں مزید موقف کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

احادیث کی تحقیق میں دیکھنے کی پہلی چیز حدیث کی سند ہے۔ اس کے بعد درایت کا درجہ آتا ہے۔ درایت سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے مضمون پر غور کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید اور سنتِ ثابتہ کے خلاف تو نہیں پڑتی؟ اس کی تائید کرنے والی دوسری روایات موجود ہیں کہ نہیں؟ کوئی بات اگر فرمائی گئی ہے یا کوئی عمل اگر کیا گیا ہے تو کس موقع پر کیا گیا ہے اور اس موقع سے اس کی مناسبت کیا ہے؟[27]۔

بیسویں صدی میں حدیث کیخدمت میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ علم حدیث میں گہرائی اور اس کی اشاعت، منکرین حدیث کے جوابات اور حدیث کو درایتاً محفوظ کرنے اور رکھنے میں گراں بار ذمہ داری ادا کی ہے۔۔ انھوں نے اگر سلف علما، فقہا اور اصولوں کے ماہرین سے اختلاف کیا ہے تو آداب واحترام اور منشائے مسئلہ کے حدود میں رہ کر اصولی اختلاف کیا ہے اور اگر کسی سے اتفاق کیا ہے تو بھی اپنی تائید اور اتفاق کے دلائل دیے ہیں۔ تحقیقی مزاج لے کر وہ علمی دنیا میں دھیمی انداز اپناتے ہیں، جس کے اندر وہ نہ گھبراہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی الزامات کا ڈر ہوتا ہے تبھی تو انھوں نے درایت کو حکمت کہہ کر قبول کر لیا ہے۔

ترجمان القرآن میں ایک سائل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی لیے حدیث کی سند دیکھنے کے ساتھ اس کے مضمون پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ محض سند کی صحت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ حدیث کا مضمون لازماً جوں کا توں قبول کر لیا جائے خواہ اس میں علانیہ کوئی قباحت نظر آتی ہو[28]۔

---

[25]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن، مارچ 1965، ص66

[26]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیمات، ج1، ص337

[27]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل ومسائل، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز منصورہ ملتان روڈ لاہور، اپریل 2015)، ص346۔

[28]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن (لاہور: مارچ 1965)، ص66۔

اسی جوابیہ مضمون کے اندر وہ سلف سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

''زاد المعاد میں علامہ ابن قیمؒ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث من عشق فعف فمات فهو شهيد'' وفی رواية ''من عشق و كتم و عف و صبر غفر الله له وادخله الجنة پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔لو كان اسناد هذا الحديث كالشمس كان غلطا ووهماً[29]...

اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح روشن ہوتی تب بھی یہ غلط اور وہم ہوتی۔اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا مضمون صحیح نہیں ہے اور یہ زبان بھی نبیؐ کی نہیں معلوم ہوتی[30]۔اسی طرح الاستیعاب میں علامہ ابن عبدالبر ایک روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں ان حديث ابن عمرو وهم وغلط انه لا يصح معناه وان كان اسناده صحيحاً۔[31]

ابن عمرو کی حدیث وہم اور غلط ہے اس کا مضمون صحیح نہیں ہے اگرچہ اس کی سند صحیح ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنے پیش رو علمائے اصولین کے راستے کا انتخاب کیا ہے۔انھی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر احادیث کی چھان بین کی ہے۔انھی اصولوں کے تحت محدّثین سے اختلاف بھی کیا ہے اور اتفاق بھی کیا ہے۔انھی اصولوں کے اندر اندھی تقلید کی شدّت سے مخالفت کرتے ہیں اور ان اصولوں کے بغیر من و عن حدیث قبول کر لینا ان کے ہاں علمی موت کے مترادف ہو گی۔

''ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھنا چاہیے۔نہ کبھی ہم نے دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو آنکھیں بند کر کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مان لیا جائے۔برعکس اس کے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیثِ رسولؐ قرار دینے کی ذمہ داری ایک گراں بار ذمہ داری ہے، جس کو اٹھانے کی جرأت کافی تحقیق کے بغیر ہرگز نہ کرنی چاہیے[32]۔

درایت کے بنیادی اصولوں میں سے اہم اصول یہ بھی ہے کہ روایت علمِ حدیث کے مسلّمہ اور طے شدہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔مسلّمہ اصولوں کی مخالفت اور اس کی پرواہ کیے بغیر، علمِ حدیث کے چشمے کو مکدر کر دینے کی سعی لاحاصل کوشش ہو گی۔علمِ حدیث کی تاریخ میں یہ کوششیں بار بار کی گئی۔سید مودودیؒ خود بھی ان اصولوں پر کاربند رہیں اور کھلم کھلا ان لوگوں کی سختی سے مخالفت بھی کی جو ان اصولوں سے منحرف و مستغنی رہے۔نبی کرم ﷺ کے فرزند ارجمند ابراہیم کے بارے میں روایت ہے کہ لو عاش ابراہیم لكان نبياً[33]۔

اگر ابراہیم بن محمد زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔اس روایت کے بارے یں سید مودودیؒ تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قادیانی حضرات اس سے جو استدلال کرتے ہیں وہ چار وجوہ سے غلط ہے:

اول یہ کہ جس روایت میں اسے خود نبی ﷺ کے قول کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف ہے اور محدّثین میں سے کسی نے بھی اس کو قوی تسلیم نہیں کیا ہے۔

دوم یہ کہ نوَوِی اور عبدالبر جیسے اکابر محدّثین اس مضمون کو بالکل ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں۔

---

29 - رسائل ومسائل،درایت حدیث،27فروری2023۔https://www.rasailomasail.net/10249.htm۔اور ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۶۵ء

30۔ترجمان القرآن مارچ 1965ء، ص66

31۔ترجمان القرآن مارچ 1965، ص66

32۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیمات، 348:1

33 ۔مسند احمد:حدیث نمبر 12383

سوم یہ کہ اکثر روایات میں اسے نبی ﷺ کے بجائے بعض صحابیوں کے قول کی حیثیت سے نقل کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ تصریح بھی کر دیتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بعد چوں کہ کوئی نبی نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے صاحبزادے کو اٹھالیا۔

چہارم یہ کہ اگر بالفرض صحابہ کرام کی یہ تصریحات بھی نہ ہوتیں اور محدّثین کے اقوال بھی موجود نہ ہوتے جن میں اس روایت کو جو نبی ﷺ کے قول کی حیثیت سے منقول ہوئی ہے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ تب بھی وہ کسی طرح قابلِ قبول نہ ہوتی۔ کیوں کہ یہ بات علمِ حدیث کے مسلّمہ اصولوں میں سے ہے کہ اگر کسی ایک روایت سے کوئی ایسا مضمون نکلتا ہو جو بکثرت صحیح احادیث کے خلاف پڑتا ہو تو اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اب ایک طرف وہ کثیر التعداد صحیح اور قوی السند احادیث ہیں جن میں صاف صاف تصریح کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کے بعد نبوّت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اور دوسری طرف یہ اکیلی روایت ہے جو بابِ نبوّت کے کھلے ہونے کا امکان ظاہر کرتی ہے۔ آخر کس طرح جائز ہے کہ اس ایک روایت کے مقابلے میں ان سب روایتوں کو ساقط کر دیا جائے[34]۔

درایت کے اسی سلسلے میں سید مودودیؒ نے اس حدیث پر بھی تحقیق کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ قریش اہل عرب کے لیڈر ہیں۔

''اس حدیث کی وضاحت و توضیح محدثین نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ جب کہ سید مودودیؒ سے اس حدیث کے حوالے سے پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ''بسا اوقات ایک خاص ماحول میں خاص موقع و محل پر ایک بات کہتا ہے جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہوتی ہے لیکن جب وہی بات اپنے محل سے الگ کر کے نقل کی جاتی ہے تو اس کی شکل کچھ اور ہی بن جاتی ہے اور اس سے ایسے معنی نکل آتے ہیں جو خود قائل کے منشا کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ اس معنی کی حدیث کے ساتھ بھی پیش آیا ہے... حتیٰ کہ اس غلط فہمی پر پڑ کر فقہائے اسلام کے ایک بڑے گروہ نے خلافت کے لیے من جملہ اور شرائط کے قرشیت کو بھی ایک قانونی شرط قرار دے لیا۔ حالاں کہ نبیؐ کا منشا کچھ اور تھا[35]۔

مزاج رسولؐ سے اشنا سید مودودیؒ نے احادیث کو بڑی باریک بینی سے درایت کے اصول پر پرکھا ہے۔ بلا تامل و تردد احادیث پر بھرپور بحث کی ہے۔ بحث و درایت کے سلسلے میں انھوں نے اس حدیث پر بھی کافی تفصیلی بحث کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ

انا مدينة العلم و على بابها فمن اراد المدينة فليات الباب [36]

میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہے۔ پس جس نے علم کے اس شہر میں آنا ہو تو اس دروازے سے آجائے۔

مولانا سید مودودیؒ نے امام ترمذیؒ، امام بخاریؒ، امام نوویؒ، امام جزویؒ، حافظ ذہبیؒ، یحییٰ بن معینؒ، ابن دقیق العیدؒ اور ابن الجوزیؒ کے حوالوں سے اس روایت کو غریب، منکر، لا اصل له، انه منكر وليس له وجه صحيح[37]... مانا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

اگر ہم اس حدیث پر اعتماد کر کے اس علم کے لیے صرف ایک حضرت علیؓ پر انحصار کر لیں، تو لا محالہ ہمیں علم کے اس بہت بڑے حصے سے محروم ہونا پڑے گا جو دوسرے صحابہؓ کے ذریعے سے منقول ہوا ہے، کیا عقل یہ مطالبہ نہیں کرتی کہ اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے لیے حضورؐ کا ارشاد ہم کو اس حدیث کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی اور مستند و معتبر ذریعہ سے پہنچنا چاہیے تھا؟ بلکہ اسے تو بہت سی صحیح اور مضبوط سندوں سے مروی ہونا چاہیے تھا۔ یہاں تک کہ اس کی صحت میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد سید مودودیؒ درایت کے اصول کے تحت اس منقولہ حدیث کا دوسرے احادیث سے موازنہ کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

---

[34] سیرت سرورِ عالم، سید مودودیؒ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سن اشاعت اگست 1999، ص 35

[35] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل و مسائل، ج سوم، 48

[36] ۔ رسائل و مسائل، حدیث ''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ...'' کی علمی تحقیق۔ 28 فروری 2023 https://www.rasailomasail.net/9240.html ،

[37] ترجمان القرآن، اگست 1957، ص 54، 53

''جب ہم ان بہت سی صحیح احادیث کو دیکھتے ہیں جو دوسرے صحابہؓ کے متعلق نبی کریمؐ نے ارشاد فرمائی ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے۔ مسند احمد اور ترمذی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے زید بن ثابت کے متعلق فرمایا ''افرضھم'' یعنی صحابہؓ میں علم میراث کے وہ سب سے بڑے ماہر ہیں۔ معاذ بن جبلؓ کے متعلق فرمایا'' اعلمھم باالحلال والحرام'' حلال و حرام کو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں، ابی ابن کعبؓ کے متعلق فرمایا'' اقرؤھم'' قرآن کے سب سے بڑے قاری وہ ہیں۔ مسند احمدؒ میں خود حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا''لو کنت مؤمراً احداً من امتی من غیر مشورۃ لا مرت علیھم ابن ام عبداً'' اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو بلا مشورہ امیر بنانے والا ہوتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا۔ ترمذی میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:''لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی ابوبکر و عمر'' میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمھارے درمیان رہوں گا۔ تم میرے بعد ان دو آدمیوں کی پیروی کرنا، ابو بکرؓ و عمرؓ۔ بخاری و مسلم اور مسند احمد میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا اور آپ کو غسل دینے کے لیے تختے پر لا کر رکھا گیا تو چاروں طرف لوگ کھڑے ہوئے۔ ان کے حق میں دعائے خیر کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص پیچھے سے میرے شانے پر کہنی ٹیک کر جھکا اور کہنے لگا۔ ''اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ تمھارے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کے متعلق میرے دل میں یہ تمنا ہو کہ میں اس کا سا نامہ اعمال لے کر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تم کو ضرور اپنے دونوں رفیقوں (یعنی رسولؐ اور حضرت ابو بکرؓ) کے ساتھ ہی رکھے گا۔ کیوں کہ میں اکثر حضورؐ کو یوں فرماتے سنا کرتا تھا کہ فلاں جگہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ تھے۔

فلاں کام میں نے اور ابو بکرؓ نے کیا۔ فلاں جگہ میں اور ابو بکر و عمرؓ گئے فلاں جگہ سے میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ نکلے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ علیؓ ابن طالب تھے۔ اسی مضمون کے آخر میں سید مودودیؒ اپنے موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

''میں عرض کرتا ہوں کہ اول تو سیدنا علیؓ کی شان میں صحیح اور معتبر حدیثوں کی کمی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ایک ایسی حدیث ان کے حق میں لانے کی کوشش کی جائے۔ جو سند کے لحاظ سے ضعیف کے مرتبے سے بھی گری ہوئی ہے۔ تاہم اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہی ہو تو اس کا یہ حصہ بالکل غلط ہے کہ ''جس کو اس شہر میں آنا ہو وہ اس دروازے سے آئے۔ کیوں کہ یہ حضورؐ کے دوسرے بہت سے ارشادات سے اور آپ ﷺ کے زندگی بھر کے عمل کے خلاف ہے اور حضرت علیؓ کے اپنے ارشادات سے بھی ٹکراتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کے پہلے حصے یعنی انا مدینہ العلم و علی بابھا کو صحیح مانا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس معنی میں نہیں کہ اس شہر کا صرف ایک ہی دروازہ ہے اور وہ علیؓ ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ اس شہر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ علیؓ ہے۔ یہ معنی حق بھی ہے اور حضورؐ کے دوسرے اقوال اور آپ کے عمل سے مطابقت بھی رکھتے ہیں[38]

اس منقولہ روایت کو سید مودودیؒ نے درایت کے ہر پہلو سے جانچا اور پرکھا۔ متن الحدیث کو عقل کے رو سے بھی، دیگر روایات کے تقابل سے بھی اور حالات و واقعات کے موازے سے بھی جائزہ لیا۔ درایت کے تحت اس پر ضعیف کے رتبے سے بھی کم درجے کا حکم لگا دیا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا وہ حوالہ ضرور دیا جانا چاہیے جس میں ظہور مہدی کے روایات کو ان کی نظریں سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

''ظہور مہدی کے متعلق جو روایات ہیں، ان کے متعلق ناقدینِ حدیث نے اس قدر سخت تنقید کی ہے کہ ایک گروہ سرے سے اس بات کا قائل ہی نہیں رہا کہ امام مہدی کا ظہور ہو گا۔ اسماء الرجال کی تنقید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث کے اکثر رواۃ شیعہ ہیں۔ تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ نے سیاسی و مذہبی اغراض کے لیے ان احادیث کو استعمال کیا ہے، اور اپنے کسی آدمی پر ان مندرجہ علامات کو چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان وجوہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نفسِ ظہور مہدی کی خبر کی حد تک تو یہ روایات صحیح ہیں، لیکن تفصیلی علامات کا بیشتر بیان

---

[38] ترجمان القرآن، اگست 1957، ص 59

غالباً وضعی ہے۔اور اہل غرض نے شاید بعد میں ان چیزوں کا اصل ارشاد نبوی ﷺ پر اضافہ کیا ہے۔ مختلف زمانوں میں جن لوگوں نے مہدی موعود ہونے کے جھوٹے دعوے کیے ہیں ان کے لٹریچر میں بھی آپ دیکھیں گے کہ ان کی ساری فتنہ پردازی کے لیے مواد انھی روایات نے بہم پہنچایا ہے[39]۔

مہدی کے متعلق مولانا کی رائے الگ نوعیت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ :

عقیدہ ظہورِ مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصوّرات کچھ اس قسم کے ہیں۔ مگر میں جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانے میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علومِ جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل مہمّہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبّر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکّہ جمادے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی ''جدّتوں'' کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورشیں برپا کریں گے۔ پھر مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اپنے جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اس کی علامتوں سے اس کو تاڑ لیا جائے، نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت جس کو منہاج النّبوۃ پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا[40]۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے حدیثِ دجال پر بھی کلام کیا ہے۔ حدیث دجال اپنی نوعیت میں محدثین پر ذرا مشکل مقامِ بحث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں محدود معلومات دی گئی تھیں۔ دجال کے ظاہر ہونے اور اس کے صفات کے علاوہ یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ کب اس کا ظہور ہوگا؟ کہاں ظہور ہوگا؟ حیات النبیؐ میں ظہور ہوگا یا بعد میں؟ خود نبی کریمؐ اس بارے میں گمان سے کام لیتے رہے۔

''کبھی آپؐ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیان علاقہ سے۔ پھر کبھی آپ ابن صیاد نامی اس یہودی بچے پر (جو مدینہ میں غالباً سنہ ۲ یا سنہ ۳ھ پیدا ہوا تھا) یہ شبہ کہ شاید یہی دجال ہے اور آخری روایت یہ ہے کہ سنہ ۹ھ میں جب فلسطین کے ایک عیسائی راہب (تمیم داری) نے آکر اسلام قبول کیا اور آپؐ کو یہ قصہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ سمندر میں (غالباً بحر روم یا بحر عرب میں سفر کرتے ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچے اور وہاں ان کی ملاقات ایک عجیب شخص سے ہوئی اور اس نے انھیں بتایا کہ وہ خود ہی دجال ہے[41]۔

حدیث دجال کے بارے میں مولانا صاحب نے متعدد مقامات پر لکھا بھی ہے اور ان سے اس حدیث کے بارے میں سوالات بھی ہوتے رہے ہیں۔ ذیل کے سطور میں ایک سوال کا جواب نقل کیا جارہا ہے۔

''اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کیے جانا کہ گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں، نہ تو اسلام کی صحیح نمایندگی ہے اور نہ اسے حدیث ہی کا صحیح فہم کہا جاسکتا ہے...اس قسم کے معاملات میں نبیؐ کے قیاس و گمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصبِ نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے۔ نہ اس سے عصمت انبیا کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ایسی چیزوں پر ایمان لانے کے لیے شریعت نے ہم کو مکلف کیا ہے، اس اصولی حقیقت کو ہم تابیر نخل والی حدیث میں نبیؐ خود واضح فرما چکے ہیں[42]۔

---

[39] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرت سرورِ عالم، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن سن اشاعت 1999)، ص456

[40] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرت سرورِ عالم، ص459

[41] ترجمان القرآن، فروری 1946، ص59

[42] محولہ بالا، ص60

مولانا مودودی نے حدیث دجال کی مشکل بحث کو بڑی آسانی اور خوبی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ غیر ضروری پیچیدگیوں میں نہیں الجھے۔

حدیث دجال کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے کذب ثلاثہ کو بھی مولانا مودودیؒ نے درایت کے اصولوں پر پرکھا ہے۔ اس بارے میں بھی ان کی رایے واضح اور دوٹوک ہیں۔

''جب تمام لوگ ایک مذہبی میلے میں شرکت کے لیے جانے لگے تو حضرت ابراہیمؑ کو بھی ساتھ لے جانے کا اصرار کیا۔ انکار کی صورت میں حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ ''انی سقیم'' انی سقیم کو نہ اللہ نے جھوٹ کیا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے، لہٰذا اس بارے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب بت خانے کے اندر ابراہیمؑ نے سارے بتوں کو توڑا اور سب سے بڑے بت کو سلامت رکھا اور کلہاڑی اس کے کندھے پر رکھ دی۔ جب اس صورت حال کا ذمہ دار ابراہیمؑ کو ٹھہرایا گیا تو جواب میں ابراہیمؑ نے کہا بل فعله كبيرهم، هذا فسئلوهم ان كانو ينطقون[43] ان میں سے جو بڑا بت ہے یہ اس کا کارنامہ ہے۔ وگرنہ ان دیگر بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ جواب دینے کی سکت رکھتے ہوں۔ تب؟

ابراہیمؑ نے ان بتوں سے ناامید کرنے کے لے یہ حربہ استعمال کیا تھا اور اس میں بھی جھوٹ کی کوئی معمولی گنجایش بھی نہیں نکالی جاسکتی۔ موافق واقعہ بات ہے اور عقل اس کو دلیل سے سمجھانے کا انوکھا انداز کہے گی۔

تیسری مشہور روایت کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ ماقبل دو واقعے کی طرح یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ اس روایت کو آگے پھیلانے میں بائبل کی روایتوں نے اسے درایت کے اصولوں کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ سید مودودیؒ نے رسائل و مسائل جلد دوم میں اس کا ذکر کیا ہے، بائبل کی ایک روایت ہے کہ:

''ابراہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوالیا۔ لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا۔ اور اسے کہا کہ دیکھ تو اس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے، ہلاک ہوگا کیوں کہ وہ شوہر والی ہے[44]۔

بائبل کے اس روایت پر سید مودودیؒ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بائیبل کے اپنے بیان کی رو سے اس وقت سارہ کی عمر 90 سال تھی۔ (جب کہ بائیبل میں درج اس روایت سے پہلے والی روایت میں سارہ کی عمر 65 سال درج ہے۔) یہ دونوں قصے خود بتا رہے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ اور ہم کسی طرح یہ باور نہیں کر سکتے کہ نبیؑ نے اس کی تصدیق فرمائی ہوگی''[45]۔

سید مودودیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کردہ روایت کو درایتاً غلط کہا ہے۔ اس بارے یہں مزید فرماتے ہیں:

''ہمارے لیے ان راویوں کو جھوٹا ماننا جس قدر مشکل ہے، اس سے بدرجہا زیادہ مشکل یہ باور کرنا ہے کہ ایک نبیؑ نے جھوٹ بولا ہوگا یا نبی ﷺ نے معاذاللہ ایک نبیؑ پر دروغ گوئی کا جھوٹا الزام لگایا ہوگا۔ اس لیے لامحالہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اس معاملے میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنا پر نبیؑ کا ارشاد صحیح طور پر نقل نہیں ہو[46]۔

رسائل و مسائل میں اس پر تفصیلی بحث ہوئی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

احادیث نبوی ﷺ میں پیشن گوئیاں کثرت سے بیان ہوئی ہیں۔ پیشن گوئیوں ہی سے بہت سارے لوگوں نے غلط مطالب اور مفہوم نکالے ہیں۔ سید مودودیؒ کا اس بارے میں موقف ہے کہ:

---

[43]-الانبیا 63:21

[44] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل و مسائل، ج2، ص31

[45] ایضاً

[46] ایضاً، ص29

''میں نے جہاں تک نبی ﷺ کی پیشن گوئیوں پر غور کیا ہے۔ان کا انداز یہ نہیں ہوتا کہ کسی آنے والی چیز کی علامات و تفصیلات اس طریقے سے کبھی آپ ﷺ نے بیان کی ہوں جس طرح ظہورِ مہدی کی احادیث میں پائی جاتی ہیں۔آپ ﷺ بڑی بڑی اصولی علامات تو ضرور فرما دیا کرتے تھے لیکن جزئی تفصیلات بیان کرنا آپ ﷺ کا طریقہ نہ تھا[47]۔

سید مودودیؒ مزاجِ رسول ﷺ سے اشنا تھے۔الفاظِ حدیث سے فنی ذوق اور بکثرت ممارست کے نتیجے میں ایک روحانی ہیئت نصیب ہوا ہے۔سید مودودیؒ کے رسوخ فی الحدیث کے ضمن میں یہ بات بڑی واضح کہی جاسکتی ہے کہ احادیث کو درایت کے اصولوں پر جانچنے کا کمال درجہ صلاحیت ان کو قدرت کی طرف سے ملی تھی۔ مشکل سے مشکل احادیث و روایات پر بلاخوف حکم لگا دینے کی جرأت قدرت نے اسے ودیعت کی تھی۔اصولِ درایت کو بروئے عمل لا کر نہ صرف اپنی تصنیفات کو معتبر بنایا ہے بلکہ اصولوں کو پرکھنے کی روایات کو بھی جاری رکھا۔

الصحابة كلهم عدول [48]

نبی کریم ﷺ کے ذخیرہ احادیث کو آگے منتقل کرنے میں صحابہ کرامؓ کی خدمات سرِ فہرست ہیں اور قابلِ قبول ہونے کے علاوہ ان کے خدمات لائقِ صد آفرین بھی ہیں۔یہی وہ امانت دار گروہ ہے جن کی بدولت ہم تک احادیث کا قیمتی ذخیرہ پہنچا۔بشر یکمزوریوں کے باوجود بھی انھوں نے کمالِ احتیاط اور مہارت سے ذخیرہ احادیث کو امت تک پہنچایا۔ مختلفالمزاج اور صحبتِ رسول ﷺ یکساں نہ ہونے کے باوجود بھی ان کی روایات میں کوئی ٹیڑھ ثابت نہیں ہوئی۔ تحریف و تبدیلی سے مبرّا احادیث کو اسی طرح آگے پھیلایا جس طرح انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا۔مولانا مودودیؒ نے روایت ''الصحابة كلهم عدول[49] ''میں اس کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس ضمن میں ان کے کردار کو واضح کر دیا ہے۔فرماتے ہیں کہ :

میں الصحابة كلهم عدول (صحابہ سب راست باز ہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہ بے خطا تھے،اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا۔اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول ﷺ سے روایت کرنے، یا آپ ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابی نے کبھی راستی سے ہر گز تجاوز نہیں کیا ہے۔پہلا مطلب اگر لیا جائے تو تاریخ ہی نہیں، حدیث کی مستند اور قوی روایات بھی اس کی تائید نہ کریں گی۔اور دوسرا مطلب لیا جائے تو وہ قطعی طور پر ثابت ہے جس کے خلاف کوئی شخص کسی قابلِ اعتماد ذریعے سے کوئی ثبوت نہیں لا سکتا۔۔۔ لیکن اگر اس کی یہ تعبیر کی جائے کہ بلا استثنا تمام صحابہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صفتِ عدالت سے کلّی طور پر متصّف تھے،اور ان میں سے کسی سے کبھی کوئی کام عدالت کے منافی صادر نہیں ہوا،تو یہ ان سب پر راست نہیں آ سکتی۔۔۔ کسی شخص کے ایک دو یا چند معاملات میں عدالت کے منافی کام کر گزرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عدالت کی کلّی نفی ہو جائے اور وہ عدالت کے بجائے فاسق قرار پائے،درآنحالیکہ اس کی زندگی میں مجموعی طور پر عدالت پائی جاتی ہو۔ حضرت ماعزِ اسلمیؓ سے زنا جیسا شدید گناہ صادر ہو گیا۔یہ قطعی طور پر عدالت کے منافی کام تھا۔لیکن انھوں نے قولاً اور عملاً توبہ کی،خود اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیا،اور ان پر حد جاری کر دی گئی۔اب اس بات سے کہ وہ عدالت کے منافی ایک کام کر گزرے تھے،ان کی عدالت منتفی نہیں ہو گئی،چنانچہ محدّثین نے ان کی حدیث قبول کی ہے[50]۔

---

[47] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سیرتِ سرورِ عالم ﷺ، ج1، ص457

[48] ۔ تدریب الراوی، ص:۴۹۲، ۴۹۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ،خلافت وملوکیت،(لاہور اورڈھاکہ :اسلامک پبلی کیشنز، سنِ اشاعت1966)،ص304،303۔

[49] ۔سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، خلافت وملوکیت،(لاہور اورڈھاکہ :اسلامک پبلی کیشنز، سنِ اشاعت1966)،ص304،303۔

[50] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، خلافت وملوکیت،(لاہور اورڈھاکہ :اسلامک پبلی کیشنز، سنِ اشاعت1966)،ص304،303۔

حدیثوں کے محافظ صحابہ کرامؓ نے احادیث کی بنیاد پر ہر لحاظ سے پاکیزہ زندگی گزاری اور پاکیزہ روایات کو آگے بڑھا بھی دیا۔ گویا ان کی پاکیزہ زندگی کی دلیل حدیثِ رسول ﷺ ہیں اور حدیث کی تطبیق کے لیے ان کی زندگیوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ

برصغیر پاک وہند میں حدیث اور اس کے تمام پہلوں پر کام ہو چکا ہے۔ شخصیات میں سے جن کو اپنے کامکی وجہ سے انفرادیت حاصل ہے، ان میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام سر فہرست ہے۔ حدیث کے بارے میں انہوں نے قرآن وسنت کے عین مزاج کے مطابق منہج کو اختیار کیا۔ سلف کے اصولوں کو بھی مد نظر رکھا اور اپنے موقف کو بھی پیش کیا۔ اس دوران حدیث سے متعلق باریک بینی سے ان ابحاث کا مطالعہ اور جائزہ لیا جن سے حدیث کی حیثیت کم کرنے کی کوشش کی گئی یا من گھڑت روایات کو حدیث میں داخل کر کے اس کے اصل حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔

درج بالا سطور میں حقائق اور حوالوں کے ساتھ اس بات کو سامنے لایا گیا کہ مزاج رسول ﷺ کو سمجھے بغیر کوئی حدیث پر کام نہیں کر سکتا۔ حدیث کے علم کے بغیر کوئی علمِ حدیث پر کلام نہیں کر سکتا۔ اور جنہوں نے اس کلام کیا ہے اور اسے اپنے نفس کی بھوک کو مٹانے استعمال کیا ہے، انہوں نے نہ صرف حدیث سے رو گردانی کہ بلکہ علمِ حدیث سے بھی خیانت کی۔ تحقیق وجستجو کو غلط رنگ دینے کی روایت ڈالنے کی کوشش کی۔ ان کا سد باب انسانی کاوشوں کے زریعے سے بھی ہوا اور علمِ وحی کے ذریعے سے خود بخود بھی ختم ہونے جارہا ہے۔ ایسے میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جیسی شخصیات کی موجودگی اس احساس کو مزید تقویت پہنچانے کا اہم ذریعہ ہوتا ہے کہ یہ علم انسانی کاوشوں سے محفوظ بھی ہے اور اس میں مزید تحقیق وجستجو کی راہیں کھلی ہے۔